سید میراں جی عابد خوندمیری صاحب مہدوی کی تفسیر

نورِ ایمان

کا

تنقیدی جائزہ بنام

مہدوی بیانِ قرآن

از قلم:

مولانا محمد عبد القوی

(ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد و نائب ناظم مجلس علمیہ آندھراپردیش)

ناشر: ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

Khaja Bagh, Sayeedabad, Hyderabad-59 (A.P)

تفصیلاتِ طباعت

- نام کتاب مہدوی بیانِ قرآن
- مصنف مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہٗ
- صفحات ۴۴
- کمپوزنگ سید خواجہ نصیرالدین قاسمی 9866619359
- قیمت
- ناشر ادارہ اشرف العلوم، خواجہ باغ کالونی، سعید آباد، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مکتبہ فیض ابرار نزد مسجد اکبری اکبر باغ، حیدرآباد۔ ۳۶ 040-65709415
- ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ، سعید آباد، حیدرآباد۔۵۹ 040-24070681
- مدرسہ خیرالمدارس، چودھری نگر، لاتور مہارشٹرا 09421956690

بسم اللہ تعالیٰ

حرفِ چند!

گذشتہ سال ۶؍تا ۸؍فروری ۱۱ء حیدرآباد میں "المعہد العالی الاسلامی" کے تحت ایک عظیم الشان اور بین الاقوامی نوعیت کا "قرآن مجید سمینار" منعقد ہوا تھا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہٗ کی خواہش پر اس عاجز نے اس سمینار میں مہدوی قوم کی شائع کردہ تفسیر "نور ایمان" کا سرسری جائزہ پیش کیا تھا۔ جو تفسیر کے صرف ۱۵۰ صفحات پر مشتمل تھا، میرا یہ جائزہ معہد نے سمینار کے موقع پر شائع کیا، چند دن بعد ایک مہدوی دوست کے ذریعہ اس جائزہ پر تبصرہ نظر نواز ہوا، عنوان تو اس کا قرآن مجید سمینار کے حوالہ سے میرا مضمون ہی تھا لیکن مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ اس عنوان کے تحت ہمارے جائزہ کا جائزہ تو نہیں لیا گیا البتہ کسی اور ناقد مفتی ابن المفتی جناب باقر صاحب مہدوی کی جانب سے تفسیر نور ایمان پر کی گئی تنقیدوں کا جواب دیا گیا تھا، سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے لئے عنوان دوسرا کیوں اختیار کیا گیا۔ ممکن ہے کہ مفتی صاحب موصوف چونکہ قوم ہی کے عالم تھے تو براہِ راست ان کی تردید مناسب نہ سمجھی گئی ہو۔ البتہ یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ میں نے اپنے مقالے میں چوں کہ ہر بات نور ایمان کے حوالہ سے لکھی تھی، درمیان میں تبصرہ نہیں کیا تھا تو موصوف نے اسے مقالہ نگار کے اعترافات کے طور پر پیش کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور مقالہ کے آخر میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کا کہیں ذکر کیا نہ جواب دیا۔ یہ خلط مبحث اس جماعت کا قدیمی معمول اور قومی امتیاز ہے۔

اس لئے میں نے اس رسالے میں نور ایمان کی تفسیروں پر وارد ہونے والے

اشکالات کو ہر اقتباس کے بعد درج کر دیا ہے، تا کہ غور کرنے میں مدد مل سکے۔ نیز اس مقالے کے بعد ان اٹھارہ آیات کا علماء امت کی معتبر تفاسیر سے موازانہ ومقابلہ بھی درج کر دیا ہے جس کے معانی ——ان لوگوں کے بقول—— بطور خاص "میراں صاحب کے قلب پر بحکمِ خدوارد ہوئے تھے"، جبکہ امت میں ان سے پہلے کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ پھر چوں کہ الحاج اشرف خوندمیری صاحب نے مفتی باقر صاحب کی تنقیدوں کے جواب میں امام قرطبی، امام طبری، امام بیضاوی اور ابن کثیر رحمھم اللہ کے حوالہ جات ان تفاسیر کے معتبر ہونے کی حیثیت سے پیش کئے ہیں، اس لئے ہم نے بھی انہی تفاسیر سے ہژدہ آیات کا تقابل کیا ہے۔

واضح رہے کہ ان آیات کی جناب عبدالغفور سجاوندی صاحب نے جو تفسیر بیان کی ہے مصنف "نورِ ایمان" بھی اسی سے متفق ہیں، چنانچہ ہم نے اُس کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت اور اس پر ثبات کی توفیق نصیب فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین۔

محمد عبد القوی

فرقہ مہدویہ کی "تفسیر نور ایمان" کا سرسری جائزہ

مذہب کا تعارف:

ہندوستان کے فرقہائے باطلہ میں ایک فرقہ مہدویہ بھی ہے، جو ہندوستانی تاریخ کی ایک عظیم علمی وروحانی شخصیت "سید محمد جونپوری" کی جانب منسوب ہے، جنہوں نے اپنے علم وعمل کی قوت اور زہد وفقر کی تاثیر کے ذریعہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو متأثر کرنے کے بعد کسی کشف یا واردۂ قلبی سے دھوکہ کھا کر یا جذب وسکر کی کیفیت میں کھو کر اپنے "مہدئ موعود" ہونے کا دعوی کر دیا تھا، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تو بالآخر اس غلط فہمی سے رجوع کر لیا مگر ان کے اصحاب ومتعلقین نے اسی پر اصرار کیا اور رجوع کو تسلیم نہیں کیا، چنانچہ یہ فرقہ ایک مستقل مذہب کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ فرقہ صوبہائے آندھرا پردیش، کرناٹک، مہاراشٹر، تمل ناڈو، گجرات اور پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ امریکہ اور کینڈا وغیرہ میں موجود ہے۔ کہیں مہدوی، کہیں مومن برادری، اور کہیں دائرہ والوں کے نام سے معروف ہیں، ان کا بڑا طبقہ عصری علوم کے اعتبار سے تعلیم یافتہ اور مہذب ہے، اور اب ایک اچھا خاصا طبقہ اپنے معتقدات میں عدم تشدد سے کام لینے کو ترجیح دے رہا ہے، ان میں سے بعض علم وفہم کی روشنی میں رجوع الی الحق بھی کرتے جارہے ہیں۔

مفسر کا تعارف:

اس تفسیر کے مصنف سید میراں جی عابد خوندمیری ابن سید اشرف تشریف اللٰہی اسی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی تعلیم اپنے وطن چن پٹن میں حاصل کی۔ ۱۹۷۹ء میں جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے "مولوی کامل" کا نصاب پورا کر کے اس میں امتیازی درجہ سے

کامیابی حاصل کی، افتاء بھی کیا، عالم اور مفتی ہونے کی وجہ سے فارغ ہونے کے بعد" مجلس علماءِ مہدویہ" نے انہیں اپنا رکن نامزد کیا، پھر صدر مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے، دو ڈھائی سال" دائرۃ المعارف العثمانیہ" میں مصحح کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیں، موصوف اپنے عقیدہ کے مطابق میراں سید محمد جونپوری کے مامور من اللہ، مبعوث لبیان القرآن، معصوم عن الخطا اور ملحق بالانبیاء ہونے کے قائل اور اس پر قائم ہیں، اب بھی بقیدِ حیات اور اس مذہب کے مضبوط دافع اور داعی ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر نور ایمان ص: ب)

قرآن اور معانی قرآن:

قرآن کریم سے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ" قرآن کریم کا نزول تو سید محمد نبی ﷺ پر ہوا تھا لیکن اس کے معانی کا صحیح ادراک یا اسکے بیان کی ذمہ داری سید محمد مہدی کے ذمہ ہے" استدلال اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ اور ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح "جمع قرآن" نبیؐ کے بعد حضراتِ شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہوا، اسی طرح معانی قرآن کا اظہار بھی ایک ہزار سال بعد سید محمد جونپوری کے ذریعہ ہوا، اور لفظِ ثُمَّ چونکہ تراخی کا فائدہ دیتا ہے اس لیے بیانِ قرآن اور نزولِ قرآن کے درمیان نمایاں فصل ضروری تھا، اسی لیے اتنی تاخیر مقدر ہوئی۔ (ایضاً ص: د)

مصادرِ تفسیر:

مصادرِ تفسیر کے سلسلہ میں اس گروہ کے معتقدات میں یہ ہے کہ تفسیر مرادِ الٰہی کی وضاحت وصراحت کا نام ہے، اور یہ کام وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ نے براہِ راست بلاواسطہ اپنے کلام کی مراد سے واقف کرایا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی صرف دو ہستیاں ہیں، ایک تو خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا، دوسرے خاتم الاولیاء حضرت محمد مہدیؑ موعود علیہ السلام جن کا منصب ہی قرآن کا بیان کرنا تھا، چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ اس کی تفسیر حضرت مہدی نے اس طرح فرمائی: ای

بلسان المهدی یعنی مہدی کی زبان سے۔ (ایضاً ص:د)

ان کے نزدیک مہبطِ قرآن کی طرح مبینِ قرآن کا بھی معصوم عن الخطاء ہونا ضروری ہے، اور اس امت میں معصوم صرف دو ہی شخصیتیں ہیں۔ سید عابد صاحب کہتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن کو نازل کرنے کے لیے اللہ نے ایک معصوم عن الخطاء ہستی کا انتخاب فرمایا، اسی طرح قرآن کا بیان کرنے کے لیے بھی اللہ نے ایک معصوم عن الخطاء ہستی کا انتخاب فرمایا، اور وہ ہستی ہے حضرت امامنا وسیدنا سید محمد مہدی موعود خلیفۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کی شان میں خود آنحضرت نے یہ گواہی دی: **المهدی منی یقفوا اثری ولا یخطی**" (ایضاً ص:د)

ان کے خیال میں تفسیر کے معتبر مصادر صرف تین ہیں، کتاب اللہ، حدیث رسول اللہ اور فرامینِ مہدی، ان تین مآخذ کے علاوہ کوئی ماخذ ومصدر معتبر نہیں۔ عابد صاحب کہتے ہیں:

قرآن کی تفسیر کی ایک صورت تو یہ ہے کہ خود قرآن کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں، تفسیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہؐ اور مہدیؑ سے جو معانی اور مراد دورِ اول کے صحابہ ومفسرین سے منقول ہو، ان مقدس حضرات کے بیان کردہ نہج، طریق اور اصول سے ہٹ کر جو تفسیر ہوگی وہ تفسیر بالرائے ہوگی۔ (ایضاً ص:ہ)

تفاسیرِ سلف کا مرتبہ:

سلف کی تفاسیر کے بارے میں اس گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ مطلقاً معتبر نہیں، جب تک کہ مہدی کی تائید وتوثیق انہیں حاصل نہ ہو، چنانچہ مذہب کی معتبر کتاب شواہد الولایت میں ہے:

"حضرت شمس ولایت حامل بالامانت نے فرمایا جو کوئی حکم اور جو کوئی بیان تفاسیر یا اوران کے سوا اور کتابوں میں اس بندے کے بیان کے مخالف واقع ہو وہ صحیح نہیں ہے، اور جو کوئی عمل اور بیان اس بندہ کا ہے خدا کی تعلیم اور مصطفٰی کے اتباع سے ہے۔" (شواہد ص:۳۸۹)

ان کے نزدیک "بیانِ قرآن" ایک مستقل وحی یا وارد ہے جو بلا کسی واسطہ کے اللہ کی طرف سے سید محمد پر نازل ہوئی یا دل میں الہام کی گئی ہے۔ صاحبِ شواہد اپنے امام سے

نقل کرتے ہیں:

"جب پہلی مرتبہ تجلیٔ ذات ہوئی فرمان پہونچا، اے سید محمد! ہم نے تجھ کو اپنی کتاب کا علم دیا اور علم مراد اللہ تجھ کو عطا کیا ہے۔"

یہ اور اس قسم کی منقولات کی وجہ سے ان کے ہاں سلف کی تفاسیر کا مطالعہ غیر ضروری اور میراں صاحب اور ان کے خلفاء کے بیان کو حرفِ آخر سمجھا گیا۔

"ہم کسی تفسیر کا مطالعہ نہیں کرتے، بیان کے وقت جو آیت بے واسطہ سامنے آتی ہے اور اس آیت کا جو بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھلایا جاتا ہے اللہ کے امر سے اللہ کی مراد بیان کی جاتی ہے۔" (شواہد ص:۲۳۱)

ان حضرات کے خیال میں تفسیر قرآن کے لیے کسی متعلقہ علم کی ضرورت ہے نہ اسلاف پر اعتماد اور ان سے استفادہ کی ضرورت ہے، کیوں کہ مہدی نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی اور فرمایا:

"برائے فہم معانیٔ قرآن نور ایمان بس است یعنی معانیٔ قرآن کی فہم کے لیے ایمان کا نور کافی ہے" (تفسیر نور ایمان ص:ہ)

اسی وجہ سے انہوں نے اپنی تفسیر کا نام "نورِ ایمان" رکھا ہے۔

اس تفسیر کے اغراض و مقاصد:

سید عابد صاحب نے یہ تفسیر جن اغراض و مقاصد کے تحت تصنیف کی ہے ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ:

"ہماری قومی کتب میں منقول ان آیتوں کی نشاندہی کی جائے جن کو خود مہدی علیہ السلام نے بحکم خدا اپنی مہدیت کے ثبوت میں پیش فرمایا ہے، عام مفسرین نے بعض مقامات پر خاص کو عام اور عام کو خاص کر دیا ہے، حضرت مہدی علیہ السلام مبین قرآن نے اس کے برخلاف لفظ کو خاص فرمایا ہے اور جس لفظ کو عام فرمایا ہے اس کی وضاحت ہو جائے، فرائض ولایت کا ثبوت جن آیات سے ہوتا ہے ان کی نشاندہی کی جائے۔ وغیرہ" (ماخوذ از تفسیر نور ایمان ص:ب)

حاصل یہ کہ متقدمین ائمہ تفسیر کی منقول و ماثور تفاسیر کو جو صدیوں سے علماءِ اسلام کی

متفق علیہ ومعتمد علیہ تفاسیر رہی ہیں سید محمد صاحب اور ان کے خلفاء کی بلا واسطہ عطا شدہ تفاسیر کی روشنی میں جانچ کر تصحیح کی جائے اور بزعمِ خویش مراد اللہ کو نئے سرے سے متعین کیا جائے۔

اس تفسیر کی خصوصیات:

موصوف خوندمیری صاحب نے زیرِ تبصرہ تفسیر میں درجِ ذیل امور کا خیال رکھا ہے جو اس کی خصوصیات کہلائی جاسکتی ہیں۔

۱) زبان عام فہم اور آسان ہے جس سے عوام بھی استفادہ کرسکیں۔

۲) ترجمہ تحت الآیات ہے اور "ف" کے اشارہ سے حاشیہ پر اس کی تشریح کی گئی ہے۔

۳) اکثر مقامات پر تو ترجمہ وتفسیر میں عامۂ مفسرین کا اتباع کیا ہے؛ لیکن جن آیات کے سلسلہ میں ان کے اکابرین مذہب سے کوئی کلام منقول ہے تو اس کو نقل کر کے اسی کو حق قرار دیا ہے۔

۴) ان کے امام چونکہ کلام پاک میں ربطِ مسلسل کے قائل ہیں اور کلام میں استیناف، اعتراض، استثناء، منقطع اور نسخ کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے ایسے مقامات پر بزعمِ خویش ائمہ تفسیر کی اصلاح کرتے رہے ہیں۔ بقول خود

۵) مختلف آیات کے ضمن میں مذہب کے مسلّمات ومعتقدات کی وضاحتوں کا اہتمام کیا گیا ہے، اگر چہ کہ وہ جمہور امت کے عقائد کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ (ایضاً ص:ج)

چند تفسیری نمونے:

- سورہ فاتحہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> "نبی کریم ﷺ پر جب قرآن نازل ہوتا تھا تو آپ بھول جانے کے خوف سے جبرئیل کیساتھ جلدی جلدی دھرانے لگتے تھے تو اللہ نے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ سے ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ تک کی آیات نازل فرمائیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے جمع قرآن اور بیان قرآن خود کرنے کا وعدہ فرمایا، ان میں سے ایک وعدہ کی تکمیل خلافتِ راشدہ کے دور میں ہوگئی،

ابھی بیان قرآن کا وعدہ پورا نہ ہوسکا تھا کہ ملوکیت کا دور شروع ہوگیا، ادھر مشیتِ الٰہی بھی یہی تھی کہ یہ کام تاخیر سے ہو، چنانچہ مہدی کے ظہور کے بعد ان کی زبانی اللہ تعالیٰ نے اپنا دوسرا وعدہ پورا فرمایا۔"

گویا قرآن کا بیان اس کے نزول کے ساڑھے آٹھ سو سال کے بعد نازل ہوا، اور اس وقت تک کے مسلمان خدا جانے قرآن کو کیا سمجھتے رہے؟۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"گویا قرآن اور مہدیؑ ہدایت کے نور ہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، کتاب اللہ اور میری عترت۔ کتاب اللہ تو قرآن شریف ہے اور عترت سے مراد وہ کامل فردِ عترت ہے جو معصوم عن الخطاء اور آنحضرت ﷺ کی بے خطا پیروی کرتا ہو"

سوائے شیعوں اور مہدویوں کے، امامت کیلئے معصومیت کا اعتقاد کوئی نہیں رکھتا، اہل اسلام کے نزدیک معصومیت صرف انبیاء و ملائکہ کی شان ہے۔

اور خود آنحضرت نے اس کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمادی المهدی منی یقفو اثری ولا یخطی (مہدی مجھ سے ہے وہ میرے نقش قدم پر چلے گا اور کبھی خطا نہ کرے گا) اسی لیے تسبیح میں مہدویہ کہتے ہیں القرآن والمهدی امامنا اٰمنا و صدقنا "۔(ص:۱)

تعجب ہے کہ مہدویہ اپنے عقائد کی بنیاد ایسی کمزور روایات اور غیر مستند عبارات کو بناتے ہیں۔ پھر ولا یخطی سے اتباعِ کامل کی تاکید تو ہوسکتی ہے معصوم ہونا کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

□ سورہ بقرہ کی پہلی آیت الٓمّٓ کے تحت حروف مقطعات کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں الر حم ن کو ملائیں تو الرحمان بنتا ہے۔ حالانکہ الر کے بعد کئی سورتیں ہیں اس کے بعد ۲۴، ۲۵، اور ۲۶ ویں پارہ میں حٰم آیا ہے پھر انتیسویں پارہ میں ن آیا ہے، پھر بھی حضرت ابن عباسؓ نے ان کے مجموعہ کو الرحمان کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

اسی اصول کی روشنی میں الـم کوصرف ایک آیت کے بعد لفظ هـدی لـلـمتـقیـن سے ملائیں تو المهدی للمتقین معلوم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی ابتدا ہی اس موعودِ عظیم ہستی سے ہوئی ہے جس کا منصب ہی اللہ سے ڈرنے والوں کو ہدایت دینا ہے۔ نیز یہ بھی نکتہ ہے کہ المهدی اور ذالک الـکتاب دونوں متقین کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہیں اور دونوں میں تحقیق کرنے والوں کے لیے کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس آیت کے ذیل میں حضرت ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں: الـمـوعـود بـانه یکون مع المهدی فی اٰخر الزمان لا یقرأه کما هو بـالـحـقـیـقـیة الا هو۔ یعنی وہ کتاب جس کے تعلق سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ آخر زمانے میں مہدی کے ساتھ ہوگی اس کتاب کی تلاوت کا حق حقیقت کے اعتبار سے مہدی کے سوا کوئی اور ادا نہیں کرے گا۔" (ص:۲)

بہت دور کی کوڑی اور تکلفِ بارد پیش کرنے کے بعد ابن عربی کے قول سے جو استدلال کیا ہے کیا وہ قرآن کریم کی تفسیر کہلانے کے قابل ہے؟

□ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے ابتلاءات اور ان میں کامیابی کے ذکر کے بعد انہیں مقامِ امامت سے سرفراز کئے جانے کا اعلان ہے، اس اعزاز کو پا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ میری ذریت کو بھی اس مقامِ عالی کا وارث بنا دیا جائے، جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہونچے گا۔ موصوف اس پر طویل حاشیہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"رہی بات امام کی دعا کی تو اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ یعنی تیری ذریت میں جو عادل ہوگا وہ امام ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ خاتم النبیین تھے اس لیے آپ کے بعد نبوت کی گنجائش ہی نہیں تھی البتہ امامت کا منصب تو اللہ نے حضور ہی کی عترت میں سے ایسی ہستی کو جو آپ کے قدم بہ قدم اتباع کرنے والی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ جس کی شان میں آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت دی تھی کہ یـقـفـوا اثری ولا یخطی میرے نقشِ قدم پر چلے گا اور کبھی خطا نہیں کرے گا اور جس کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ یـمـلأ الارض قسطا وعدلا کہ وہ زمین کو قسط وعدل سے بھر دے گا۔ منصبِ امامت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ حضرت سید محمد جونپوری بن سید عبد اللہ المخاطب مہدی بلسان رسول اللہ ﷺ خلیفۃ اللہ، بیّنۃ اللہ،

امر اللہ۔ مراد اللہ ودافع ہلاکت امتِ محمد یہ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت میں سے جس امام کی دعا کی تھی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ وہ فقط تیری ہی ذات ہے نہ کہ کوئی اور۔" (ص:۲۴)

اس تفسیر کی حقیقت آگے "بشردہ آیات" کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

- آیت نمبر ۱۴۱ " تلک امة قد خلت " الآیة کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ کے پاس پوچھ "کسبِ خود" کے بارے میں ہوگی نہ کہ "کسبِ غیر" کے بارے میں، تمہارا یہ زعم کہ ہمارے باپ دادا پیغمبر ہیں، ان کے توسط سے ہم بچ جائیں گے یہ خام خیالی ہے، دین میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹی فاطمہ! عمل کر عمل کر میں تجھ کو خدا کے پاس بچا نہیں سکتا اور حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن اللہ یہ نہیں پوچھے گا کہ تم پسر احمد ہو یا پسر محمد، اللہ بندے سے عمل با محبت پوچھے گا۔ (ص:۲۷)

پھر یہ عمل با محبت کیا ہے؟ دوسری جگہ سورۂ نساء کی آیت "لیس بامانیکم " کے تحت اس کی صراحت کی ہے:

"بندہ کی تصدیق کے معنٰی یہ ہیں بندہ عصر اور مغرب کے درمیان جو قرآن کا بیان کرتا ہے اس پر عمل کرنا، پھر آپ نے دوسرے موقع پر فرمایا تصدیق بندہ عمل ہے، باعمل مقبول ہے اور بےعمل مردود ہے۔" (ص:۱۳۴)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ مہدویت میں عمل سے مراد مہدی کے احکام کی تصدیق ہے، مفسر نے حضرت فاطمہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عمل کی تاکید والی روایت بھی نقل کی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ جب مہدوی وجود ہی میں نہیں آئے اور ان پر بیان اترا بھی نہیں تھا، تو حضرت فاطمہؓ کو کس عمل کی ترغیب دی جارہی تھی؟۔ ظاہر ہے کہ وہ عمل وہی تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تھا اور مفسر اس عمل کی بات کررہے ہیں جو مہدی نے بیان کیا یہ تو روایت سے مغالطہ دینے کی کوشش ہے۔

- آیت نمبر ۱۴۹ کے تحت مسجدِ حرام کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"حدیث میں آیا ہے کہ مہدیِ موعود سے رکن ومقام کے درمیان بیعت کی جائے گی،

بحمداللہ حضرت سید محمد جونپوریؒ نے اسی مقام پر ۹۰۱ھ میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا اور کئی ایک لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ اس دعویٰ کو آج ۱۴۰۱ھ میں پورے ۵۰۰ سال ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سوائے امامنا حضرت سید محمد جونپوری کے کسی نے حدیث کی شرط (رکن ومقام کے درمیان دعویٰ کرنا اور ضمناً بیعت لینا) کی تکمیل نہیں کی۔" (ص:۳۰)

اس کے بعد ۱۴۰۰ھ میں پیش آئے حادثہ میں عبداللہ القحطانی نامی شخص کے دعوائے مہدیت اور فساد فی الحرم کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے:

"اور اس واقعہ کے بعد تو اب مکہ معظّمہ میں عموماً اور حرم شریف میں خصوصاً کسی جعلی مہدی کے دعویٰ کا بھی امکان باقی نہ رہا "فبأيِّ حديث بعده يؤمنون." (ص:۳۱)

اب بھی ہوتے رہتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے بات نبھ جاتی تھی پکڑ کے جیل خانے نہیں بھیجے جاتے تھے، اب جعل نبھ نہیں سکتا۔ لیکن جب مہدیٔ حقیقی کا ظہور ہوگا، اور علماءِ امت کی تائید وتصدیق انہیں حاصل ہوجائیگی تب وہ پوری عزت امارت اور دبدبے کے ساتھ منظر عام پر ہوں گے۔ ان شاء اللہ

□ آیت نمبر ۱۵۱ میں "ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون" کے تحت رقمطراز ہیں:

"اس سے مراد گذشتہ امتوں کے واقعات، گذشتہ زمانے کے حالات اور آئندہ آنے والے نوازل اور حوادث بھی ہوسکتے ہیں، لیکن کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد ان امور کا بیان کچھ اجنبی اور بے جوڑ سا لگتا ہے، خصوصاً جب کہ يتلو عليهم آياته میں وہ سب باتیں آجاتی ہیں۔ کتاب وحکمت بیان کرنے کے بعد یہ کہنا کہ "وہ تم کو ایسی باتیں سکھاتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے تھے" کچھ خاص باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے قرآن دیا گیا اور اوتيت مثلــه معه اس کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا، حضور ان باتوں کو جن کا تعلق اسلام اور ایمان سے تھا علی الاعلان بیان فرمایا،

نہیں بیان فرمانے کا ثبوت کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے ہونا چاہیے، محض کسی کے انکار سے نبی کی جانب کتمانِ علم کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ یہ مہدویہ ہی کا طریق ہے کہ نصوص کے مقابلے میں مکاشفات واشارات لاتے ہیں جبکہ عقیدہ قطعی نصوص اور

اجماعی مفہوم سے بن سکتا ہے اور بس!

البتہ جن کا تعلق "مرتبہ احسان" سے تھا ان کو علیٰ سبیل الدعوت بیان نہیں فرمایا، البتہ خاص خاص لوگوں کو جن میں آپ نے ان کو اٹھانے اور برداشت کرنے اور ہضم کرنے کی صلاحیت دیکھی بیان فرمادیا، جیسے حضرت علیؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ۔" (ص:۳۱)

□ آیت نمبر ۲۱۳ میں یہ بتانے کے بعد کہ نبیوں کا سلسلہ لوگوں کو گمراہی سے ہٹا کر ہدایت پر لانے کے واسطے قائم کیا گیا تھا، جس کا اختتام حضرت محمد ﷺ پر ہوا، لکھتے ہیں:

"یہاں تک کہ نبی آخر الزماں تشریف لائے اور آپ پر قرآن شریف نازل کر دیا گیا۔ اس کی حفاظت اللہ نے خود کی۔ اسی لیے وہ تحریفِ لفظی سے بچا رہا۔ لیکن تحریفِ معنوی یعنی غلط تاویلات تو اس کے لیے اللہ نے قرآن کے بیان کی ذمہ داری ثم ان علینا بیانہ کے ذریعہ خود قبول فرمائی اور بیان قرآن کے اس منصبِ جلیل پر حضرت امام مہدی موعود علیہ الصلوٰہ والسلام کو فائز فرمایا

افسوس! ایسا ناقص انتظام فرمایا جیسا اس کے بندے بھی کرتے۔ آٹھ سو سال تک تو تحریفِ معنوی کو کھلی چھوٹ ملی رہی اور آٹھ سو سال کے بعد کسی کو بھیجا کہ تحریف سے میرے کلام کو بچالو۔ اس طرح آٹھ صدیوں کے گمراہوں پر تو اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت نہیں رہی۔ یہ عجیب معمہ ہے کہ کلام آج اُترے اور حفاظت بھی شروع ہو جائے اور معانی آٹھ سو سال کے بعد نازل ہوں یا معانی کی حفاظت کرنے والا پیدا ہو۔

جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہم تمہارے پاس تنزیل لاتے ہیں لیکن تاویل اسے آخر زمانے میں فارقلیط (مہدی) لائیں گے۔ (ص:۴۴)

□ آل عمران کی آیت ۸۱ آیتِ میثاق کے تحت کہتے ہیں کہ:

"جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے لیے پچھلے اور اگلے نبیوں کی تصدیق کرنا اور معاصر نبیوں کا آپس میں نصرت وتعاون رکھنا ضروری قرار دیا ہے۔ اسی طرح مہدی کی توثیق وتصدیق بھی کسی نہ کسی بنی کے ذریعہ ضروری تھی۔ مہدی اگرچہ نبی نہیں لیکن ملحق بالانبیاء ہیں۔

دلیل شرعی چاہیے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اخیر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھا کر آسمانوں پر رکھا ہوا ہے، ظہور و مرور مہدی کے بعد ان کا نزول ہوگا، تا کہ وہ مہدی پر ایمان لا کر ان کی تصدیق کا فریضہ ادا کریں۔" (تفصیل ص ۸۲ تا ۸۴ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔)

□ آیت "ولا تکونوا کالذین تفرقوا" کے تحت لکھتے ہیں:

"تاریخ کی کتابیں اس کی شاہد ہیں خصوصاً نویں صدی ہجری کا زمانہ انتہاء درجہ پر آشوب رہا، اس قدر کہ اسلام سے فقط نام اور قرآن سے فقط الفاظ باقی رہ گئے تھے اور عمل تو بالکل ناپید ہو گیا تھا، ایسے ہی دور میں جب کہ رسوم، عادات اور بدعات کے سبب دنیا سے دین رخصت ہو گیا تھا اللہ نے حضرت سید محمد جونپوری کو مہدی کی حیثیت سے مبعوث فرمایا کہ دین کو اس کے اصلی خدوخال کے ساتھ برپا کیا جائے اور آنحضرت ﷺ کی سنتوں کو زندہ کیا جائے۔ پس حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے بہانگ دہل مہدی موعود ہونے کا اعلان بحکم خدا فرمایا اور دلیل میں کتاب اللہ اور اتباع محمد رسول اللہ کو پیش فرمایا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جس نے حضرت مہدی علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ کے بیان کردہ احکام پر جو کہ حقیقت میں احکامِ قرآن اور اتباعِ رسول اللہ سے عبارت ہیں عمل کیا وہی ناجی ہے۔" (ص: ۸۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پچھلے نبیوں کے بعد دین مٹ جاتا تو دوسرے نبی کو بھیجا جاتا تھا اسی طرح ہمارے نبی کے بعد مہدی کو مبعوث کیا گیا، نعوذ باللہ اگر ایسا ہے تو پھر نبی کی آفاقیت وابدیت بے معنیٰ چیز ہو کر رہ گئی۔ پھر نبی تو اپنے دین کی بلا انقطاع زمانہ تحفظ کی ضمانت دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں "میری امت کی ایک جماعت ہر زمانے میں حق کی حمایت وحفاظت کیلئے موجود رہے گی اور آپ کہتے ہیں کہ آٹھ سو سال تک کوئی بچانے والا نہ تھا اور اس کے بعد صرف ایک بندہ کھڑا ہوا۔

□ آل عمران آیت نمبر ۱۹۳ "ربنا اننا سمعنا منادیا" کے تحت لکھتے ہیں:

"یہاں اس پکارنے والے سے مراد حضرت مہدی موعود علیہ السلام ہیں جو لوگوں کو ایمانِ حقیقی کی دعوت دے رہے تھے۔ آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تو ایمان بالغیب کی دعوت دے دی تھی پھر اس کے بعد جو دعوت دی گئی وہ ایمان عیانی کی دعوت ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان عیانی کی

دعوت سوائے حضرت مہدی علیہ السلام کے کسی اور نے نہیں دی۔" (ص:۱۰۳)

جو دعوت کسی نے بھی نہیں دی حتی کہ نبی نے بھی نہیں دی وہ دین کیسے کہلا سکتی ہے؟

□ آیت نمبر ۱۹۵ **"فاستجاب لهم ربهم"** کے تحت رقم طراز ہیں:

"حضرت مہدی علیہ السلام نے اس آیت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ چاروں صفتیں (ہجرت، اخراج، ایذاء فی سبیل اللہ اور جہاد کرنا اور شہید ہونا) بندہ کی (سید محمد جونپوری) ہیں۔ پھر ایک مرتبہ دورانِ بیان قرآن فرمایا کہ صفت **ھاجروا** ادا ہوگئی۔ **اخرجوا من دیارھم** ادا ہوگئی۔ **اوذوا فی سبیلی** ادا ہوگئی۔ **قاتلوا وقتلوا** باقی ہے، انشاء اللہ ادا ہوگی، آپ نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اے خدا جس طرح تینوں صفتوں کا ظہور مجھ سے ہوا ہے چوتھی صفت کا ظہور بھی مجھ سے ہو جائے، تو حکم خداوندی ہوا کہ روزِ ازل سے ہم نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ خاتمین یعنی خاتم النبی اور خاتم الولی پر کوئی قادر نہ ہو سکے گا، اس لیے چوتھی صفت کے ظہور کے لیے ہم نے سید خوند میرؓ کو پیدا کیا ہے، چوتھی صفت کا ظہور سید خوند میرؓ سے ہوگا، چنانچہ ۱۲رشوال ۹۳۰ھ میں حضرت بندگی میاں سید خوند میر صدیق ولایت سید الشہداء حامل بارِ امانت سے **قاتلوا** کی صفت کا اظہار کھانبیل (گجرات) میں ہوا، جس میں سلطان مظفر کی کثیر التعداد فوج کو بے سروسامان فقیروں نے شکست فاش دی اور ایک دن کے وقفہ کے بعد ۱۴رشوال المعظم ۹۳۰ھ سدراسن میں آپ مع ساتھیوں کے شہید ہو کر **قتلوا** کی صفت سے بہرور ہوئے۔ یہ صفت اصالتاً مہدی موعود کی تھی لیکن حکم خداوندی سے بندگی میاں سید خوند میرؓ سے ادا ہوئی اس لیے آپ کو "بدل مہدی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ پہلی تین صفتوں کا ظہور خود حضرت مہدی علیہ السلام کی ذات سے ہی ہوا، یعنی آپ نے ہجرت کی اس طرح کہ جونپور کو چھوڑا تو پھر پلٹ کر جونپور کی صورت نہیں دیکھی اور ہجرت بھی ایسی بے مثال کہ دس ہزار سے زیادہ میل کی مسافت راہِ خدا میں آپ نے طئے کی۔ پھر جا بجا آپ کا اخراج بھی ہوا اور اللہ کے راستے میں اذیتیں بھی آپ نے بہت سہیں۔" (ص:۱۰۳)

اس تفسیری من مانی کا ثبوت میرے خیال میں مفسر کے "نورِ ایمان" کا علاوہ کوئی اور چیز نہیں، عہدِ رسالت سے آٹھویں صدی تک کس مفسر نے یہ تفسیر کی ہے، میراں صاحب بھی امتی ہیں انہوں نے خود اپنی باتوں کو قرآن وسنت پر پرکھنے کا حکم دیا ہے، اسلئے دلیل

کسی کا دعا اور اس کے جواب کا دعویٰ بلا دلیل شرعی کیسے معتبر ہوسکتا ہے؟ مہدی تو نبی کا تابعِ تام ہے وہ کتاب وسنت سے ہٹ کر کرنت نئے دعوے کر ہی نہیں سکتا۔غور کرنے کی ضرورت ہے یہ سب زیادتیاں "مریداں می پرانند" کے قبیل سے تو نہیں!

□ سورۂ نساء کی آیت ۵۹ میں "**واولوا الأمر منکم**" کے تحت اپنے امام کے مفترض الطاعۃ ہونے کا ثبوت اس طرح پیش کرتے ہیں:

"اللہ اور رسول کی اطاعت کے حکم کے بعد صاحبِ امر کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے تو یہ بات بڑی نازک قابلِ غور اور لائقِ اتباع ہے۔جب عام امیر کے تعلق سے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے تو زیادہ توجہ دینی کی بات یہ سامنے آتی ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی اطاعت کے بارے میں کیا طریقۂ عمل ہونا چاہیے۔حضرت مہدی علیہ السلام تو صاحبِ امر ہیں، امر اللہ ہیں، مامور من اللہ ہیں، خلیفۃ اللہ ہیں، تابعِ تام محمد رسول اللہ ہیں، قدم بقدمِ رسول اللہ ہیں۔خاتمِ دین ہیں، کیا آپ مفترض الطاعۃ نہیں ہیں؟

مفترض الطاعۃ کا جو شرعی مفہوم ہے اس کا اطلاق نبی کے علاوہ کسی پر نہیں ہوسکتا۔ اصطلاحاتِ شرعیہ میں خلط مبحث مہدویہ کا عام مزاج ہے، بلکہ اسی پر مذہب کا مدار ہے۔

خصوصاً جب کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب ان کے بارے میں سنو تو جاؤ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو، اگر چہ تم کو برف پر سے رینگتے ہوئے جانا پڑے، اس لیے کہ وہ اللہ کے خلیفہ ہیں اور اس بات کو (یا حدیث کو) اکابر اہلِ سنت محدثین اور صوفیاء بھی تسلیم کرتے ہیں۔اصولی طور پر اس میں کسی ایسے شخص کو جو مستند اور متدین عالم ہے اختلاف نہیں ہے۔البتہ ایک آدھ مؤرخ یا اصولِ تفسیر سے ہٹ کر اپنی فہم کے مطابق تفسیر کرنے والے نے اس سلسلے میں کچھ لکھ دیا ہو تو دین میں اس کی کوئی حیثیت ہے اور نہ مقام، چونکہ مہدوی حضرت سید محمد جونپوری کو مہدی موعود علیہ السلام مانتے ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ ہی صاحبِ امر ہیں۔پس آپ کی اطاعت لازم اور فرض قرار پاتی ہے۔"

□ سورۃ المائدہ آیت "**قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین**" کے تحت نبوت وولایت کی بحث چھیڑ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نورِ نبوت کی تکمیل واختتام نبی کریم ﷺ پر ہوا

اور نورِ ولایت کا اختتام سید محمد جونپوری پر ہوا:

"نور سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: انا من نور الله و کل شئ من نوری میں اللہ کے نور سے ہوں اور ہر چیز میرے نور سے ہے۔ اس طرح آپ اللہ کا نور ہیں، آپ کو اللہ نے نہ صرف نبوت سے سرفراز فرمایا بلکہ ختمِ نبوت کا تاج بھی آپ کے سر پر رکھا اور ہر نبی پہلے ولی ہوتا ہے پھر اس کو نبوت دی جاتی ہے، اس طرح آنحضرت ﷺ کو نورِ نبوت کے ساتھ نورِ ولایت بھی ملا، نبوت کے خاتم تو حضور ہیں لیکن آپ کی ولایت جو باقی رہ گئی تھی اس کے خاتم حضور مہدی موعود علیہ السلام ہیں جیسا کہ مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں سوال چہارم در تحقیق کیفیت مسافراں کے جواب کے ضمن میں آیا ہے۔"

نبوت را ظہور از آدم آمد　　کمالش در وجود خاتم آمد

ولایت بود باقی تا سفر کرد　　چو نقطہ در جہاں دور دگر کرد

یہ چند نمونے "تفسیر نورِ ایمان" کے صرف ۱۵۰ صفحات کے مطالعہ کا حاصل ہے، اس میں جو باتیں تفاسیر معتبرہ اور عقائدِ حقہ کے خلاف نظر سے گذریں ان میں سے چند بعینہٖ سپردِ قرطاس کر دی گئی ہیں، ان باتوں کا معتبر تفاسیر سے تقابل وقت طلب کام تھا، اس لیے اس سے احتراز کیا گیا۔ البتہ اسی تفسیر میں ایک جگہ منقول میراں سید محمد جونپوری کا قابلِ قدر ملفوظ آخر میں نقل کرتا ہوں جو سب ہی کے لیے قابلِ عمل و لائقِ اتباع ہے:

"حضرت مہدی علیہ السلام نے فرما دیا تھا کہ میں کوئی نیا مذہب نہیں لایا ہوں، میرا مذہب کتاب اللہ اور اتباعِ محمد رسول اللہ ہے۔ پس میرے اقوال، افعال اور احوال کو دیکھو اور قرآن و سنت پر پیش کرو۔ مطابق پاؤ تو بندے کی تصدیق کرو اور اگر مخالف پاؤ تو بندے کو قتل کرو۔"

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میراں صاحب نے ہوش وحواس کے زمانہ میں شریعتِ مطہرہ یعنی کتاب وسنت ہی کو معیارِ حق سمجھا، اسی پر عمل کیا اور اسی کی دعوت دی تھی، لیکن جب ان پر استغراق اور جذب کا غلبہ ہوا تو ایسے دیگر مغلوب الحال صوفیاء کی طرح ان کی زبان نے مافی الضمیر کے ادا کرنے میں لغزش کی اور وہ شطحیات سامنے آئیں

جومخالف کتاب وسنت ہیں، اس لیے ان کے سچے جانثاروں کو چاہیے کہ مذہب کی منقولات کو کتاب وسنت پر جانچیں جو کھری اتریں تسلیم کریں اور جو کھوٹی ہیں تو ان پر بے جا اصرار کرنے اور کھینچ تان کر موافق بنانے کے بجائے اپنے امام کی ہدایت کے مطابق جو بات کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے موافق ہو اس کو اختیار کرلیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم کی راہنمائی اور اس پر ثبات نصیب فرمائے۔آمین

اب آگے ان اٹھارہ آیات کی تحقیق کی جارہی ہے جن کے معنیٰ میراں صاحب نے کتاب وسنت سے ہٹ کر بیان کئے ہیں۔

ہژدہ آیات

یعنی قرآن کریم کی وہ اٹھارہ آیتیں جن کے بارے میں مہدویہ کا خیال ہے کہ ان کے مہدی اور مہدویہ کے حق میں ہونے کی میراں صاحب نے من جانب اللہ خبر دی ہے۔ ان آیات کی نمبروار پہلے معتبر کتب سے متفق علیہ تفاسیر لکھی گئی ہے پھر میراں صاحب کا دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ دعویٰ پر جو صفحہ نمبر لکھا گیا ہے وہ "رسالہ ہژدہ آیات" مصنفہ عبدالغفور سجاوندی کا ہے۔

(۱)

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لاَ يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (بقرہ:۱۲۴)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

از روئے امید حضرت ابراھیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پرودگار! میری ذریت میں سے بھی امام بنا!! یا پھر اس آیت میں حضرت ابراھیمؑ کی طرف سے اپنی ذریت کے متعلق سوال ہے کہ اے پرودگار میری ذریت کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ جواب ملا کہ تمہاری اولاد میں نیک و بد دونوں طرح کے لوگ ہوں گے، نیکوں کو ہم امام بنائیں گے اور جو لوگ بد ہوں گے وہ امامت کے مستحق نہ ہوں گے اور نہ ہی ہم انھیں امام بنائیں گے۔ (قرطبی:۲/۸۴)

● امام بیضاویؒ فرماتے ہیں:

اس میں تنبیہ ہے اس پر کہ تمہاری اولاد میں بعض نافرمان وظالم لوگ بھی ہوں گے تو

وہ لوگ امامت نہیں پاسکیں گے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی امانت اور عہد ہے، اور ظالم اس کا اہل نہیں ہے، اس کے مستحق تو ان میں سے نیک لوگ ہوں گے اس میں دلیل ہے کہ انبیا بعثت سے قبل بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور یہ کہ فاسق امامت کا مستحق نہیں ہوتا۔

(بیضاوی:۱/۱۰۴)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ رب العزت نے جب حضرت ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امتحان کے مراحل سے گذارا، اور وہ ان تمام امتحانات میں پوری طرح کامیاب ہوگئے، تو بطور انعام اللہ تعالیٰ نے ان کو عہدۂ امامت عطا فرمایا۔ اس وقت حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے اپنی ذریت کے لئے دعا کی کہ" اے پروردگار! میرے بعد میری ذریت میں بھی سلسلۂ امامت باقی رکھ! اللہ پاک نے ان کی دعا کو مشروط قبول فرمایا کہ آپ کی ذریت میں جو لوگ ظالم اور گنہگار رہوں گے وہ تو امام نہیں بنائے جائیں گے اور جو نیک اور صالح ہوں گے البتہ وہ بنائے جاسکتے ہیں۔ (ابن کثیر۱/۱۵۹)

تینوں ائمہ تفسیر کے کلام سے معلوم ہوا کہ "و من ذریتی" سے کوئی خاص شخصیت مراد نہیں بلکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی طرف سے اپنی اولاد میں بھی نبوت و امامت کے جاری رکھے جانے کی درخواست ہے، اور اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قاعدہ اور سنت جاریہ کا اظہار فرمایا جارہا ہے کہ منصبِ نبوت کے سب اہل نہیں ہیں، جو اہل ہوگا اس کو ضرور عطا کیا جائے گا جو نہیں ہوگا وہ محروم رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کے مطابق حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیا انہی کی اولاد میں مبعوث فرمائے۔

اس کے برخلاف مہدویوں کا عقیدہ یہ ہے کہ "و مـن ذریتـی" سے مراد ایک خاص امام یعنی مہدیٔ موعود اور وہ بھی سید محمد جونپوری صاحب ہی ہیں۔

رسالہ ہژدہ آیات کے مصنف عبدالغفور سجاوندی کہتے ہیں

مہدیٔ موعود سے روایت کی گئی ہے آپ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم کیا کہ وہ مسلم امام جس کے اپنی ذریت میں سے ہونے کے لئے ابراھیمؑ نے دعا کی وہ فقط تیری ہی ذات ہے نہ کہ کوئی اور"۔ پس میں کہتا ہوں کہ حق وہی ہے جو امام نے فرمایا کیونکہ الفاظ ایک امام کی تقدیر پر دلالت کرتے ہیں، کیونکہ وہ نکرہ ہے جو کلام مثبت میں واقع ہوا ہے پس وہ غیر متعین پر دلالت کرتا ہے اوراس کا عطف محذوف پر ہے" تقدیراس کی یہ ہے **اجعلنی اماماً ومن ذریتی اماماً** ۔

(بشردہ آیات ص:۳۰)

یہی بات تفسیر نورِ ایمان کے مصنف نے لکھی ہے:

اللہ نے جو فرمایا تھا کہ میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہونچے گا، یعنی امام وہ ہوگا جو عادل ہوگا، پس وہ وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف امام مہدیٔ موعود علیہ السلام ہی پر صادق آئے گا بلا شرکتِ غیرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابراھیم علیہ السلام کی امام سے متعلق دعا کا مصداق حضرت مہدی علیہ السلام ہی ہیں۔ (ص:۲۴)

زبردستی کی ایک تقدیر جو متقدمین میں سے کسی معتبر مفسر نے اختیار نہیں کی بڑھا کر اپنے امام کو اس کا مصداق قرار دے لیا گیا، جس کا بدیہی البطلان ہونا ہر صاحبِ علم وخبر پر روشن ہے۔

(۲)

فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ (آل عمران:۲۰)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اگر یہ کفار جھوٹی اور مغالطہ انگیز باتوں کے ذریعہ آپ سے جھگڑا کریں، حجت بازی کریں تو آپ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں لگے رہیں جو کہ ایمان لانا اور تبلیغ کرنا ہے، اور آپ کی نصرت و مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے۔

''**من اتبعن**'' میں ''**من**'' محل رفع میں ہے اور اس کا عطف ''**اسلمت**'' کی ''تُ'' ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور اس کے معنیٰ ہیں میرے متبعین بھی (میری طرح) اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ (قرطبی:۴/۳۶)

● مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہی بات امام بیضاویؒ نے بھی لکھی ہے۔(بیضاوی:۲/۱۰)

● امام ابن کثیرؒ اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

اسلام کی حقانیت پر دلائل قائم ہونے کے بعد بھی یہ لوگ اگر آپ سے توحید کے بارے میں جھگڑیں اور خواہ مخواہ کی حجتیں نکالیں تو آپ جواب میں ان سے فرما دیجئے کہ میں خالص اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو اکیلا معبود ہے، جس کا کوئی شریک وساجھی نہیں، نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی۔ اور میرے متبعین کا قول بھی یہی ہے، یعنی جو لوگ میرے دین پر ہیں اور وہ وہی کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: " قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِیْ اَدْعُوْ اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ " کہ میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے پیروکار خوب سوچ سمجھ، دیکھ بھال کر تمہیں خدا تعالیٰ کی طرف بلا رہے ہیں۔

(ابن کثیر:۱/۳۳۵)

اس کے برخلاف مہدویہ کا خیال ہے کہ من اتبعن سے ان کے امام مراد ہیں:

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حکم کیا کہ یہ من اتبعن کا من خاص ہے اور اس سے مراد صرف تیری ذات ہے کوئی اور نہیں۔(ہژدہ آیت ص:۶)

یہی تفسیر نور ایمان کے مصنف نے بھی لکھی ہے۔(دیکھئے ص:۱۷)

(۳)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ والاَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّاُوْلِی الْاَلْبَابِ (آل عمران:۱۹۰)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

لَاٰيٰـتٍ لِّاُوْلِی الْاَلْبَابِ یعنی جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وقدرت پر دلالت کرنے والی آیات میں غور وفکر کرنے کے لئے اپنی عقلوں کا استعمال کرتے ہیں۔

(قرطبی:۴/۲۳۸)

● امام بیضاویؒ نے بھی اس کو عام رکھا اور حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے اور دلائلِ قدرت میں غور وفکر نہ کرے تو وہ محروم ہے۔ (بیضاوی:۲/۵۴)

اور اس کے عموم کی واضح دلیل سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۴ ہے جس میں یہی مضمون بیان کرنے کے بعد **لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ** فرمایا گیا ہے۔

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

آسمان وزمین کی پیدائش، لیل ونہار کی گردش میں عقلمند اور پاک نفوس لوگوں کے لئے کافی نشانیاں ہیں جو ہر شئی کی حقیقت پر نظر ڈالنے کے عادی ہیں، اور ان بے وقوفوں کی طرح نہیں ہیں جو اشیاء کی حقیقتوں میں تدبر وتفکر نہیں کرتے۔

پھر اللہ تعالیٰ **أُوْلِیْ الْأَلْبَابِ** کے اوصاف بیان فرماتے ہیں: کہ **اولو الالباب** وہ لوگ ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے، جاگتے، سوتے، الغرض ہر حال میں زبان سے دل سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت، علم وحکمت اور اختیار ورحمت پر دلالت کرنے والی حکمتوں پر غور وفکر کرتے ہیں۔ (ابن کثیر:۱/۴۱۴)

برخلاف اس کے مہدویہ کا کہنا ہے کہ **اولو الالباب** سے مراد مہدوی قوم ہے:

حضرت مہدئ موعود علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم کیا کہ ''**اولی الالباب**'' سے مراد فقط تیری قوم ہے۔ میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو امام نے فرمایا کیوں کہ وہ لوگ تمام سے ثابت قدم ہیں۔ (ہژدہ آیات ص:۸) (نور ایمان ص:۱۰۲)

اب اگر **اولو الالباب** سے مہدوی مراد ہیں تو **قوم یعقلون** سے بھی وہی مراد ہوں گے۔ پھر قرآن کریم کس کے لئے ہوگا؟

(۴)

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدۃ:۵۴)

● اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنی زبردست قدرت کی خبر دے رہے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس کے دین کی مدداوراس کی شریعت کو قائم کرنے سے اعراض کریں گے تو اللہ ان لوگوں کو ختم کر دے گا اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو وجود دے گا جو ان سے ہر اعتبار سے بہتر ہوں گے.............

حضرت حسن بصریؒ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ **قوم** کا مصداق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور صحابہ کرامؓ ہیں۔ (ابن کثیر:۲/۶۷)

● امام قرطبیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے قول کے علاوہ اور بھی روایات ذکر کی ہیں مگر کسی روایت میں بھی قوم مہدویہ مراد نہیں لی گئی ہے، اس لئے بعد کے مفسرین نے ہر زمانے میں کفر و ارتداد کا مقابلہ کرنے والے مسلمانوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی:۶/۱۳۰)

● قاضی بیضاوی کہتے ہیں کہ **بقوم** سے روایات کی روشنی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی قوم اہل یمن، یا حضرت سلمان فارسیؓ کی قوم اہل فارس یا مجاہدینِ قادسیہ مراد ہیں۔ (بیضاوی:۱/۱۳۲)

مہدویہ کا اعتقاد کچھ اور ہے وہ کہتے ہیں

حضرت مہدیٔ موعود علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اس قوم سے مراد فقط تیری قوم ہے کوئی اور نہیں۔ (بژدہ آیات ص:۱۴)

یہی بات صاحبِ "نور ایمان" بھی کہتے ہیں:

پس اسی طرح اور اسی نہج پر فسوف یأتی اللّٰہ بقوم پر نظر ڈالتے ہیں تو بھی یہی مفہوم نکلتا ہے کہ یہاں بھی اللہ کے ایک قوم کو لانے سے مراد اللہ کا ایک خلیفہ ایک قوم کے ساتھ آنے والا ہے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے۔ (ص:۱۶۱)

مذکورہ بالا تفاسیر کے مطابق یہ قوم صدیقِ اکبرؓ کے ہمراہ مرتدین کا مقابلہ کرنے والی قوم تھی، یا پھر ہر وہ قوم ہوسکتی ہے جس نے ماضی میں کبھی فتنۂ ارتداد کا جم کر مقابلہ کیا یا آج

کررہی ہے، یا آئندہ ضرورت پر کرے گی ،لیکن غور کرنا چاہیے کہ تمام مسلمانوں سے ہٹ کراور پوری امت سے کٹ کراپنا علاحدہ دین وعقیدہ بنا لینے والی قوم اس کی مصداق کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ بھی محض کسی کے دعوے کی وجہ سے؟ ؟

(۵)

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ الآية (الانعام:۱۹)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

یہ قرآن مجھ پر اتارا گیا ہے تا کہ اے اہل مکہ میں تمہیں اس قرآن کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اوران لوگوں کو بھی جن تک یہ قرآن پہنچے۔ بـلـغ کے بعد ۂ ضمیر محذوف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے مـن بـلـغ سے مراد وہ جو بالغ ہو گیا ہے،اوراس میں اسکی دلیل بھی ہے کہ نابالغ مخاطب شریعت اور مکلّفِ احکام نہیں ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کی تبلیغ نبی کی طرح امت کے حق میں بھی مامور بہ ہے۔ (قرطبی:۶/ ۲۴۷)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

و من بـلـغ ضمیر مخاطبین یعنی لأ نـذر کم پر عطف ہے،یعنی تا کہ اۓ اہل مکہ! میں اس قرآن کے ذریعہ تم کواوران تمام کو جن تک یہ قرآن پہونچا خواہ وہ کالے ہوں یا گورے جن ہو یا انسان ۔ یا یہ مراد ہے کہ موجودہ مخاطبین اور قیامت تک کے وہ تمام لوگ جن کو قرآن پہونچے ۔اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ احکامِ قرآنی نزول کے وقت موجود لوگوں اور بعد کے تمام لوگوں کے لئے عام ہیں۔ (بیضاوی:۲/ ۱۵۷)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی یہ قرآن مجھ پر اتارا گیا تا کہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کواور جس جس کو یہ قرآن پہونچے ان سب کوڈراؤں ۔محمد ابن کعبؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کوقرآن پہنچ گیا وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر

لی،اوران سے بات کرلی.....ربیع بن انس کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر متبع امتی پرلازم ہے کہ وہ آپ کی طرح دوسروں کودعوت دے اورلوگوں کواللہ سے ڈرائے۔

(ابن کثیر:۲/۱۲۰)

ان سب مفسرین کے برخلاف میراں سید محمد جونپوری دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا:

''یہ من خاص ہےاوراس سے فقط تیری ذات مراد ہےکوئی اورنہیں''(بڑدہ آیات ص:۱۶)

صاحبِ نورایمان بھی یہی تفسیر کرتے ہیں،انہوں نے **ومن بلغ** کے معطوف علیہ کے سلسلہ میں تمام مفسرین سے ہٹ کر کچھ امکانات بیان کئے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں:

دوسری وجہ جو ہم نے اوپر لکھی اس کے لحاظ سے بھی من سے مراد خاص ہی ہے(عام نہیں)اوروہ مہدی علیہ السلام ہیں اس لئے کہ قرآن کی وراثت یارسول کی وراثت کامل طور پر نصوص کی روشنی میں اگرکسی کو پہونچی ہےتو وہ صرف حضرت مہدی علیہ السلام ہیں(ص:۱۷۹)

آگے انہوں نے ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی تمام ماثور تفاسیر سے ہٹے گا تو ابن عربی کے علاوہ اور کس کا سہارا لے سکے گا۔

(۲)

فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْماً لَّيْسُوْا بِهَا بِكَافِرِيْنَ

(الانعام:۸۹)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اے محمد!(صلی اللہ علیہ وسلم)اگرآپ کے زمانہ کے کفار ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں تو ہم مدینہ کے انصاراور مکہ کے مہاجرین کوان پر مسلط کردیں گے،جو ہماری آیتوں کا انکارنہیں کرتے،یاہم کفار وقت پر مسلمان انسان اور جناتوں کو مسلط کردیں گے۔یہ بھی کہا گیاہے کہ آیت قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو عام ہے۔ (قرطبی:۷/۲۶)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

اگر یہ قریش ان تینوں باتوں ـــــ نبوت، کتاب اور حکمت ـــــ کا انکار کریں تو ان کی قدردانی کے لئے ہم ایسی قوم کو ان پر مسلط کریں گے جو ان جیسی نہ ہوگی، اور وہ مذکورہ بالا انبیا اور ان کے متبعین ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ قوم سے مراد انصارِ مدینہ یا جمیع صحابہ کرامؓ یا جمیع مومنین یا اہل فارس یا ملائکہ ہیں۔ (بیضاوی:۲/۱۷۱)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اگر اہل مکہ یا عربوں، عجمیوں، کتابیوں میں سے کوئی بھی آپ کی نبوت اور کتاب وحکمت کا انکار کرے تو ان لوگوں پر ہم ایسی قوم مسلط کریں گے جو ان چیزوں کا انکار نہیں کریں گی، انکار تو کیا ایک حرف بھی رد نہیں کرے گی؛ بلکہ محکم ومتشابہ تمام آیات پر ایمان لائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے۔ یعنی مہاجر وانصار صحابۂ کرامؓ اور ان کے قیامت تک کے متبعین۔ (ابن کثیر:۲/۱۴۷)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ’’فان یکفر بھا ‘‘ سے مراد قرآن کا انکار ہے۔ اور ’’ھو لاء ‘‘ سے مراد کفارِ قریش ہیں۔ ’’ قوما لیسوا بھا بکافرین ‘‘ سے مراد انصار ہیں۔ حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ ’’فَاِنْ یَکْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ ‘‘ میں هٰؤُلَاءِ سے مراد اہل مکہ اور اہل مدینہ ہیں۔ (طبری:۹/۳۸۸)

اس کے برخلاف مہدویہ کو ان کے امام سے یہ روایت پہنچی ہے

مہدیٔ موعود علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس قوم سے مراد فقط تیری قوم ہے کوئی اور نہیں۔ (بژدہ آیات ص:۱۷)

مصنف نور ایمان نے یہاں صرف اختلافِ اقوال کے نقل پر اکتفا کیا، تعیین نہیں کی ہے۔ (دیکھئے ص:۱۹۰)

(۷)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال:۶۴)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ میں ایک قول یہ ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ اور مہاجرین وانصار (مؤمنین) کافی ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور مؤمنین کے لئے کافی ہے۔ پہلی صورت میں مَنْ حالت رفع میں ہے، اور لفظ اللّٰه پر عطف ہے، دوسری صورت میں حالتِ نصب میں ہے اور ضمیر مخاطب ک پر عطف ہے۔

(قرطبی:۴/۳۲۰)

● قاضی بیضاویؒ نے بھی یہی صورتیں بیان کی ہیں اور من کو عام رکھا ہے خواہ وہ منصوب ہو یا مرفوع یا مجرور۔ (بیضاوی:۳/۶۶)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ کفار ومشرکین کا خوف نہ کریں، ڈٹ کر مقابلہ کریں، کیونکہ آپ کی اور اہلِ ایمان کی دشمنوں کے مقابلے میں نصرت وتائید کے لئے اللہ کافی ہے، خواہ ان کی تعداد واسلحہ بہت اور مسلمان معدودے اور ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔ (ابن کثیر:۲/۳۱۰)

● ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتے ہیں کہ اے نبیؐ! اللہ آپ کے لئے کافی ہے اور جو مومنین آپ کی اتباع کریں ان کے لئے بھی کافی ہے دشمن کی کثرت اور تمھاری قلت تم کو پریشان وخوفزدہ نہ کردے اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے تمہاری تائید کرنے والے ہیں۔

(تفسیر طبری:۱۱/۲۵۹)

مہدویہ نے یہاں بھی من کی تخصیص بلامخصص کرلی ہے:

مہدیٔ موعود علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ یہ ''مـــن'' خاص ہے، اور اس سے مراد فقط تیری ذات ہے نہ کہ تیرا غیر۔ (بژدہ آیات ص:۱۹)

مصنف ''نور ایمان'' نے بھی عبد الغفور سجاوندی کی تشریحات اور ابن عربی کے مکاشفات کے حوالہ سے یہی بات کہی ہے (دیکھئے ص:۲۵۳) جو ظاہر ہے کہ ان معتبر مفسرین کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتیں۔

(۸)

الٓرٰ کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیَا تُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (ھود:۱)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

حسن بصریؒ اور ابو العالیہ کا قول ہے کہ اس کی آیتیں امر و نہی کے معاملہ میں محکم اور وعدہ وعید اور ثواب و عذاب کے بیان میں مفصل ہیں۔ قتادہؓ کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان آیات کو باطل کی دراندازی سے محفوظ اور مضبوط کر دیا پھر حلال و حرام کے ذریعہ ان آیات کی تفصیل اور وضاحت فرمادی۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ بہ حیثیتِ مجموعی محکم ہے اور ایک ایک آیت کے اعتبار سے دلائلِ توحید و نبوت و آخرت وغیرہ کے بیان میں مفصل ہے۔ یہ بھی منقول ہے کہ لوحِ محفوظ میں اکھٹا ہے اور دنیا میں وقفے وقفے سے نازل ہوا ہے۔

(قرطبی:۹/۴)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں یعنی اس طرح مرتب اور مربوط ہیں کہ الفاظ و معانی میں کسی قسم کا اشتباہ و اختلال واقع نہیں ہوسکتا، یا فساد و نسخ روکنے والی ہیں، کیونکہ اس جگہ آیات سے اسی سورہ کی آیات ہیں جن میں سے کوئی منسوخ نہیں ہوئی، یا مطلب یہ ہے کہ اس کی آیات دلائل و براھین سے مستحکم کی گئی ہیں، پھر اس میں عقائد و احکام اور وقائع و نصائح کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، یا یہ کہ اس کو سورتوں میں منقسم کر دیا گیا، یا تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا وغیرہ۔ (بیضاوی:۳/۱۲۷)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

یہ قرآن کی آیتیں لفظاً محکم اور معنیً مفصل ہیں یعنی لفظ و معنی دونوں اعتبار سے کامل ومکمل ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، جو اپنے کلام اور احکام میں بڑی حکمت والا اور انجام ونتائج کا اچھی طرح جاننے والا ہے۔ (ابن کثیر:۲/۴۱۷)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

حضرت قتادہؒ نے فرمایا ''الٓرٰ کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ '' کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ نے باطل سے اس کو محفوظ ومضبوط کیا، پھر اس کی تفصیل بیان کی، اور حلال وحرام نیکی وبدی، طاعت ومعصیت کو اس میں واضح طور پر بیان کیا۔ (تفسیر طبری:۱۲/۲۱۰)

مہدویوں نے اس کی عجیب وغریب توضیح کی ہے:

حضرت مہدی موعود علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے اس کو مراد اللہ کے موافق اس طور پر بیان فرمایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں محمدؐ کی زبان سے پھر تفصیل سے بیان کی جائیں گی اس کی آیتیں مہدی موعود علیہ السلام زبان سے۔ حکیم وخبیر کی طرف سے یعنی اس کتاب کی آیتیں من عند اللہ بحکم ازل ثابت ہیں یعنی نزول قرآن کی مضبوطی محمدؐ سے اور بیان قرآن کی مضبوطی مہدی علیہ السلام سے ثابت ہے۔

(بشردہ آیات ص:۲۱)

مصنف نور ایمان بھی یہی کہتے ہیں کہ:

آیتوں کا استحکام تو باعتبار نزول کے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو چکا، پھر اس کی تفصیل کا انتظام بھی چونکہ اللہ کے ذمے تھا اس لئے اللہ نے اس کے لئے بھی ایک بعثت کا انتظام فرمایا جس کے ذریعہ ان آیتوں کی تفصیل بیان ہونے والی ہے اور وہ ہستی حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے سوا اور کون ہے؟ (ص:۳۰۴)

(۹)

أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسىٰ (ہود:۱۷)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

ایسا شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ پر ہو اور اسے نمایاں فضیلت حاصل ہو، اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو دنیوی زیب و زینت کا خواہاں ہو۔ ابن زید کہتے ہیں کہ **علی بینة** سے وہ شخص مراد ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ **ویتلوہ شاھد** سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام قرطبی نے **بینة** اور **شاھد** کے سلسلہ میں مفسرین کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مگر مَن کی تخصیص کسی کے ساتھ نہیں کی، وہ عام ہی ہے، یا پھر اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مراد لئے گئے ہیں۔ (قرطبی: ۹/۱۳)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں مَن کا مصداق ہر مخلص مومن ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا پھر اہل کتاب ہیں۔ (بیضاوی: ۳/۱۳۱)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

کیا منکر قرآن ایسے شخص کی برابری کرسکتا ہے جو اپنے رب کی طرف سے آئی ہوئی **بینة** یعنی قرآن پر قائم ہے، اور اس کا ایک گواہ اس سے قبل موسیٰؑ کی کتاب تورات بھی ہے آیت میں **بینة** سے مراد قرآن ہے، اور **شاھد** سے مراد اعجاز قرآنی ہے، اور معنی یہ ہوگئے کہ وہ لوگ جو قرآن پر قائم ہیں اور ان کے پاس قرآن کی حقانیت کا ایک گواہ تو اعجازِ قرآنی ہے اور دوسرا گواہ بصورتِ تورات پہلے آچکا ہے، جو موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے لئے قابلِ اقتداء اور رحمتِ حق کی حیثیت سے لائے تھے۔ (ابن کثیر: ۲/۴۲۱)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

اللہ نے اپنے قول **أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ** میں یہ بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی جانب سے دلیل پر تھے اور **وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ** میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ (تفسیر طبری: ۱۲/۳۵۶)

اس کے برخلاف سید محمد جونپوری کہتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ یہ"مَــنْ" خاص ہے،اوراس سے مراد فقط تیری ذات ہے کوئی اورنہیں۔

عبدالغفور سجاوندی کہتے ہیں کہ لفظ"مــــن"عمومیت کا احتمال رکھتا ہےاور خصوصیت باقتضاء قرینہ ثابت ہوتی ہے۔اس طرح کہ مہدی موعود کے سوا کوئی "مــن" کا مصداق ہونے کے لائق نہیں۔اگر اس کا اطلاق افرادِ مؤمنین میں سے فردِ عام پر کیا جائے تو آیت نفسِ معنیٰ کے لحاظ سے درست نہیں۔اور اگر اس کا اطلاق افرادِ اولیاء میں سے کسی فردِ خاص پر کیا جائے تو معنی آیت کے موافق ہوتا ہےاور اولیاء میں خاص مہدی موعود ہی ہیں۔(بژدہ آیات ص:۲۲)

مصنف نور ایمان نے اپنی تفسیر میں میراں صاحب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے بلا واسطہ سُن کر بیان کیا کہ:

أفـمـن کـان میں جو من مذکور ہےاس سے مراد تیری ذات ہےاور بینة سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کی اتباع ہے قولاً وفعلاً وحالاً۔اور ولایتِ محمدیہ سے مراد وہی خاص ولایت ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص ہےاور شــاهد سے مراد قرآن ہے.......................حضرت مہدی علیہ السلام کے اس بیان کے بعد اب ہمیں دیگر تفسیروں میں جو مصداق الفاظِ مذکورہ بالا بیان کئے گئے ہیں ان پر توجہ دینے کی چنداں ضرورت ہی نہیں رہتی.................(ص:۳۰۹)

(۱۰)

قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْ إِلَى اللّٰهِ عَلَى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف:۱۰۸)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

هَــٰذِهِ سَبِيْلِيْ مبتدا خبر ہے،مطلب یہ ہے کہ اے محمد! آپ کہہ دیجئے کہ میں جس چیز کی طرف دعوت دے رہا ہوں یہی میرا طریقہ اور منہج ومسلک ہے یہی راستہ جنت تک پہونچاتا ہے، بصیرة یعنی پورے وثوق وحق کی بات ہے، انا ومن اتبعنی میں اور ہر وہ شخص جو میرا متبع ہے،اس میں انا تاکید کے واسطے ہے۔ (قرطبی:۹/۱۹۳)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ رب العزت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ جو جن وانس کے رسول ہیں ـــــ سے فرماتے ہیں کہ اے نبیؐ! جن وانس سے کہہ دیجئے کہ میرا تو یہی طریقہ اور مسلک ہے کہ لوگوں کو بصیرت اور یقین کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں بھی اور وہ لوگ بھی جو میری اتباع کرنے والے ہیں، اور میری اور میرے متبعین کی یہ دعوت کسی سرسری نظر پر مبنی نہیں بلکہ پوری بصیرت اور عقلی وشرعی دلائل کی روشنی میں ہے۔ (ابن کثیر:۳/ ۴۷۷)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

ابن زید نے اللہ تعالیٰ کے قول ''قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْ إِلَى اللّٰهِ عَلىٰ بَصِيْرَةٍ أَنَـا وَمَـنِ اتَّبَـعَنِيْ'' کے بارے میں فرمایا کہ ''ھـذہ سبیـلی'' سے مراد ھـذاامری وسـنتـی و منھاجی (یعنی میرا حکم، میرا طریقہ اور میرا راستہ ہے) میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف سے پوری بصیرت کیساتھ اس کی دعوت دیتے ہیں۔ آپؐ کے پیروکاروں پر لازم ہے کہ وہ وہی دعوت دیں جو نبی نے دی اور لوگوں کو قرآن وسنت کے ذریعہ نصیحت کریں اور اللہ کی نافرمانیوں سے روکیں۔ (تفسیر طبری:۱۳/ ۳۷۹)

لیکن مہدوی اپنے امام کی اتباع میں کچھ اور ہی کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ ''مـن اتبـعـنـی'' کا من خاص ہے اور اس مراد فقط تیری ذات ہے اس میں غیر شریک نہیں۔

عبدالغفور سجاوندی کہتے ہیں کہ ''مـن'' کے خاص ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ ''مـن'' کا عطف اس پوشیدہ ضمیر پر ہے، جو ''ادعـو'' میں ہے اور یہ عطف اس بات کو چاہتا ہے کہ تابع اور متبوع کی دعوت ایک ہی مرتبہ میں ہو ورنہ دونوں دعوتوں میں تفرقہ لازم آئے گا۔ اور جملہ کے عطف میں مناسبت کا ہونا ایک ایسا امر فرعی ہے جو وصل کے بہترین مقامات میں سے سمجھا جاتا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ نبی پر دعوت فرض تھی، تو آپ کے تابع پر بھی فرض ہونا چاہیے اور وہ تابع مہدی موعود کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مہدی کی بعثت اسی کام کے لئے ہے۔

(بشر دہ آیات ص:۲۶)

مصنف ''نورِایمان'' کہتے ہیں:

تیسری بات جو قابل غور ہے: وہ یہ کہ" و مـن اتبعنی " سے کون مراد ہے، عام مفسرین یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے، گویا اس آیت میں جو مـــن ہے وہ عام ہے، حضرت مہدی علیہ السلام نے جب اس آیت شریفہ کا بیان فرمایا تو یہ فرمایا کہ یہ من خاص ہے اور اس سے بندہ کی ذات مراد ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا (ترجمہ از فارسی) فرمان ہوتا ہے کہ اس تابع سے تیری ذات مراد ہے، اظہار کردے ورنہ تو گنہگار رہوگا............(ص:۳۴۲)

(۱۱)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فاطر:۳۲)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

ثُـمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ یعنی اعطینا ہم نے عطا کیا الکتٰبَ سے یہاں اس کے علوم و احکام مراد ہیں، اللہ پاک نے جب امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی نعمت عطا کی تو گویا اس نے ہم سے قبل کی امتوں کو دی گئی کتاب کا وارث بنا دیا، اصـطفینا کے معنیٰ گندگیوں سے پاک کرنا ہے۔ مـن عبـادنـا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اگر چہ کہ لفظ کا عموم تمام امتوں کے مومنین کے لئے عام ہوسکتا ہے مگر کتاب کا وارث بنایا جانا عام نہیں ہے صرف امت محمد یہ کے ساتھ خاص ہے۔ (قرطبی:۱۴/۳۵۳)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

ثُـمَّ أَوْرَثْـنَـا الْكِتَـابَ یعنی ہم نے قرآن کو آپ کی وراثت بنانے کا فیصلہ کر دیا، یا کتاب کو پچھلی امتوں سے اس امت میں منتقل کیا۔ الذین اصطفینا یعنی اس امت کے علماء خواہ صحابہؓ میں سے ہوں یا بعد والوں میں سے۔ یا پوری امتِ مسلمہ بھی مراد ہوسکتی ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے اور چُن لیا ہے۔ (بیضاوی:۴/۲۵۹)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد! یہ کتاب اولاً ہم نے آپ پر نازل کی پھر ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے تمام بندوں میں سے باعتبار ایمان کے پسند فرمایا یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں میں یہ قرآن پہونچایا۔ (ابن کثیر:۳/۵۳۳)

ابن کثیر نے متعدد روایات اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمائی ہیں، لیکن انہوں نے یا کسی بھی مفسر نے الذین اصطفینا من عبادنا سے مہدوی قوم کو مراد لیا نہ کسی اور مخصوص طبقے کی تعیین کی۔

اس کے برخلاف سید محمد جونپوری کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ وارثین کتاب سے مراد فقط تیری قوم ہے ان کے سوا کوئی اور نہیں۔

عبدالغفور سجاوندی کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو خبر دی کہ ہم نے وارث بنایا کتاب کا یعنی وارث بنایا معانی قرآن کا ان لوگوں کو جنھیں ہم نے منتخب کرلیا تاکہ قرآن کے معانی اور اشارات و رموز کو ظاہر کریں اپنے بندوں میں سے۔ وہ مہدئ موعود علیہ السلام کی قوم ہے۔

اس معنی کی تائید کرتا ہے وہ قول جو عوارف میں مذکور ہے۔ ابن مسعود سے مروی ہے کہ نہیں ہے کوئی آیت مگر اس کے لئے ایک قوم ہے جو قریب میں اس آیت کا معنیٰ جانے گی۔ (بڑدہ آیات ص:۲۸)

یہاں صاحبِ نور ایمان نے کوئی نوٹ نہیں لکھا ہے، آیت کے صرف اگلے حصے پر نوٹ لکھا ہے، بہرحال یہ تفسیر بھی جمہور مفسرین کے برخلاف ہے۔

(۱۲)

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (محمد:۳۸)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

قَوْماً غَيْرَكُمْ سے متعلق حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ عجم مراد ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ فارسی اور رومی مراد ہیں۔ شریح کا کہنا ہے کہ اس سے انصارِ مدینہ مراد ہیں، یہی ابن عباسؓ کا قول ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ تمام لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے لاکر کھڑا کرے گا،

کوئی خاص قبیلہ یا قوم مراد نہیں ہے۔ (قرطبی:۱۶/۱۸۵)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ بندوں سے اپنی بے نیازی کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں کہ اگر تم لوگ ہمارے احکام سے روگردانی کروگے تو ہم تمہاری جگہ دوسری قوم کو پیدا کرلیں گے اور پھر وہ تم جیسے روگردانی کرنے والے نہ ہوں گے بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت صحابہؓ کرام کے سامنے فرمائی تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کونسی قوم ہے کہ اگر ہم خدانخواستہ احکامِ دین سے روگردانی کرنے لگیں تو وہ ہمارے بدلے میں لائی جائے گی اور پھر وہ ہماری طرح احکام سے روگردانی نہیں کرے گی، آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی شانے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم، اور اگر دین حق ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ وہاں بھی پہنچ کر دین کو حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے۔

(ابن کثیر:۴/۱۸۵)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ الخ حضرت سلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہونگے کہ اگر ہم روگردانی کریں تو ہمارے بدلے اُن کو کھڑا کیا جائیگا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا یہ اور اس کی قوم کے لوگ ہوں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر یہ دین ثریا کی بلندی کو جا لگے تب بھی اہل فارس کے چند لوگ اسے وہاں سے لے آئیں گے۔ (تفسیر الطبری:۲۱/۲۳۴)

اس کے برخلاف سید محمد جونپوری کہتے ہیں کہ

اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ اس قوم سے مراد فقط تیری قوم ہے کوئی اور نہیں۔

سجاوندی کہتے ہیں میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو آپ نے فرمایا پہلی آیت کا سیاق عبارت اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو خبر دی ہے کہ کہہ دے مومنوں سے کہ اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو! الخ .... اگر تم ان تمام امور سے جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے پھر جاؤ گے تو وہ تمہارے بدلہ ایک دوسری قوم کو لائے گا۔ وہ مہدی موعود کی قوم ہے پھر وہ تم جیسی نہ ہوگے۔ (بژدہ آیات ص:۳۰)

مصنف نور ایمان نے بھی مکمل عبارت سجاوندی صاحب کی نقل کر دی ہے، یعنی اسی کو معتبر قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ص:۲۹۶)

(۱۳)

خَلَقَ الْإِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمٰن:۳،۴)

● ان آیات کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے انسان بنایا اور اسے گویائی اور دانائی عطا کی۔ یہاں انسان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور تعلیم سے تمام چیزوں کے نام یا تمام لغات کی تعلیم مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ **الانسان** سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور **البیـــــان** سے مراد حلال وحرام اور ہدایت وگمراہی کی توضیح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ **الْـإِنسَـان** سے مراد تمام انسانیت ہے، کیوں کہ وہ اسم جنس ہے، اور **بیـان** سے مراد عقل ونطق ہے کیونکہ انسان دیگر مخلوقات پر اسی سے فضل وشرف رکھتا ہے۔ (قرطبی:۱۷/۱۱۳)

● ابن جریر طبریؒ نے حضرت قتادہؓ سے نقل کیا ہے کہ "**خـــلـــق الانســـــان**" میں **الانسان** سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ (تفسیر الطبری:۲۲/۱۶۹)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

جب اس سورت کا مضمون ہی دینی واخروی نعمتوں کا ذکر ہے تو اللہ پاک نے سب سے پہلے **الـرحمن** فرما کر اپنی رحمت کی نعمت کو یاد دلایا اس کے بعد سب سے عظیم الشان

دینی نعمت یعنی القرآن کی تعلیم کا ذکر فرمایا، کیونکہ وہ دین کی بنیاد اور شریعت کا ماخذ ہے، پھر **خلق الانسان علمه البیان** فرما کر اس بات کی طرف سے اشارہ کیا کہ انسانیت کا دوسری تمام مخلوقات سے امتیاز نطق اور کلام کی وجہ سے ہے، بیان کی حقیقت مافی الضمیر کا اظہار اور مخاطب کی تفہیم ہے۔ (بیضاوی:۵/۱۷۰)

لیکن یہاں بھی مہدوی قوم اپنے امام کے حوالہ سے انسان کے عموم کو مہدی کے ذات سے مخصوص قرار دے لیا ہے۔

مہدیٔ موعود علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انسان سے مراد تیری ذات ہے اور عبد الغفور سجاوندی مہدوی نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے **خلق الانسان** یعنی مہدیٔ موعود علیہ السلام **علمه البیان** یعنی اللہ نے مہدی کو بیان قرآن سکھایا۔ (ہژدہ آیات ص:۳۱)

صاحب نور ایمان کا خیال بھی یہی ہے:

حضرت مہدیٔ موعود خلیفۃ اللہ نے جن کے ذریعہ قرآن کا بیان ہونا خود قرآن سے معلوم ہو رہا ہے فرمایا کہ اس سے مراد بندہ کی ذات ہے۔ (ص:۲۴۷)

(۱۴)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ (واقعہ:۱۳،۱۴)

● ان آیات کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آیت ''**ثلة من الاولین**'' نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ پر یہ بات گراں گذری کہ ہم بہ نسبت امم سابقہ کے کم رہیں گے اس پر دوسری آیت نازل ہوئی ''**ثلة من الاولین وثلة من الآخرین**'' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم یعنی امت محمدیہ جنت میں ساری مخلوق کے مقابلہ میں چوتھائی، تہائی بلکہ نصف اہل جنت ہوں گے اور باقی نصف میں بھی کچھ تمہارا حصہ ہوگا۔

(ابن کثیر:۴/۲۸۶)

● امام قرطبیؒ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ اولین وآخرین دونوں طبقے اسی

امت کے ہیں اولین اس امت کے قرونِ اولیٰ یعنی صحابہ وتابعین وغیرہ ہیں جن کو حدیث میں خیرالقرون فرمایا ہے اور آخرین قرون اولیٰ کے بعد والے حضرات ہیں۔

(قرطبی: ۱۷/۱۷/۱۴۷)

(۱۵)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ   وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ

سورۃ الواقعہ میں ان دونوں جگہوں پر جنت میں جانے والوں کا موازنہ کیا گیا ہے، لیکن اسمیں اختلاف ہے کہ اولین وآخرین سے مراد کیا ہے، آیا اولین سے مراد پچھلی امتیں اور آخرین سے مراد امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اولین سے مراد اس امت کے اولین مسلمان یعنی صحابہ کرامؓ ہیں اور آخرین سے مراد بعد والے لوگ مراد ہیں؟ احادیث سے دونوں باتیں معلوم ہوتی ہیں اور دونوں مراد لینے پر بھی آیت کے معنیٰ ومفہوم میں کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ معنیٰ واضح اور صاف ہیں، لیکن مہدوی قوم اپنے امام کے حوالہ سے دونوں جگہوں پر اٰخرین سے اپنی قوم کی تخصیص کرتی ہے جو بلا دلیل اور خلاف جمہور ہے۔

مہدیٔ موعود سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ثلۃ من الاٰخرین سے فقط تیری قوم مراد ہے اور ثلۃ من الاولین سے نبی صلعم کے اصحاب اوران کے تابعین مراد ہیں۔

(ہژدہ آیات ص:۳۲)

یہی بات صاحبِ نور ایمان نے بھی لکھی ہے۔ (دیکھئے ص:۲۸۷)

(۱۶)

وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔(جمعہ:۳)

● امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ یعنی جو لوگ ان کے زمانے میں نہیں ہیں بعد میں اسلام میں

داخل اور شامل ہونے والے ہیں۔ پھر بخاری و مسلم کے حوالہ سے سلمان فارسیؓ کی قوم کی طرف اشارہ والی روایت نقل فرمائی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کسی صحابیؓ نے جب ملحق ہونے والوں کی بابت دریافت کیا تو آپ پہلے تو خاموش رہے پھر حضرت سلمانؓ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس کی قوم کے لوگ مراد ہیں، یہ لوگ اگر دین ثریا ستارہ پر بھی پہونچ جائے تو وہاں سے بھی اُتار لائیں گے اسکے بعد بعض اور اقوال نقل کر کے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔

آگے **ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء** کے تحت حضرت ابن عباسؓ کی یہ تفسیر نقل فرمائی ہے کہ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ایمان کی بدولت عجم کو عرب اور قریش سے جوڑ دیا، یا پھر اس سے اسلام مراد ہے کہ جس کو چاہتا ہے بلا تفریق نسل عطا فرماتا ہے۔

(قرطبی:۱۸/۶۹)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

و اٰخرین منھم یہ وہ تمام لوگ ہیں جو صحابہؓ کے بعد سے لیکر قیامت تک کسی بھی زمانہ میں اسلام میں داخل ہوں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ودعوت تمام انسانوں کے واسطے ہے۔ **لما یلحقوا بھم** یعنی ابھی تک مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں لیکن بعد میں ایمان لا کر ان میں مل جائیں گے۔ (بیضاوی:۵/۲۱۱)

● امام ابن کثیرؒ نے متعدد مفسرین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ **اٰخرین** سے مراد قیامت تک کا ہر وہ عجمی ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہو۔

(ابن کثیر:۴/۳۶۳)

اس کے برخلاف مہدوی قوم کا کہنا کہ اس سے صرف مہدوی قوم ہی مراد ہے

امام مہدیٔ موعود سے مروی ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھکو حکم فرمایا ہے کہ **و اٰخرین منھم** سے مراد فقط تیری قوم ہے اور **من الرسول منھم** (ان میں کے رسول مقدر) سے مراد تیری ذات ہے۔

(مژدہ آیات ص:۳۳)

صاحبِ نورِ ایمان نے بھی اس جگہ بڑی تفصیلی مگر غیر متعلق گفتگو کر کے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

اب غور طلب بات یہ ہے کہ آخرین میں ایسے کون لوگ مراد ہے جو رسول اللہ کے اصحاب کے ھم پلہ ہوں بجز خلیفۃ اللہ کے اصحاب کے کوئی جماعت نہیں ہوسکتی، مہدی چونکہ اللہ کے خلیفۃ اللہ کے اصحاب کے خلیفۃ اللہ کے اصحاب ہی برابر ہوں گے۔ (ص:۷۵۳)

(۱۷)

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (قیامۃ:۱۹)

اے محمد! قرآن کریم آپ کو یاد کرادینا، اور آپ کی زبان پر جاری کرادینا تبلیغ کے وقت یاد رکھوانا، اور لوگوں کے سامنے پڑھوادینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔ یا قرآن میں مذکور حدود، حلال وحرام اور وعدہ وعید کی توضیح وتشریح ہمارے ذمہ ہے، اسلئے آپ فرشتہ کے ساتھ اپنی زبان ہلا کر مشقت برداشت نہ کیا کریں۔

(ابن کثیر:۴/۴۵۰، قرطبی:۱۹/۹۷، بیضاوی:۵/۲۶۶، طبری:۲۳/۵۰۴)

تمام مفسرین کے خلاف مہدویہ کے نزدیک اس کی تفسیر اس طرح ہے:

امام مہدی موعود نے اللہ کے حکم سے فرمایا کہ تحقیق ہمارے ذمہ ہے بیان اس کا یعنی مہدیؑ موعود کی زبان سے اور وہ تیری ذات ہے یعنی ہم نے تجھ پر لازم گردانا ہے بیان اس کا (قرآن کا) اپنی تعلیم سے۔

(بژدہ آیات ص:۳۵)

صاحبِ نورِ ایمان نے بھی اس جگہ یہی تفسیر کی ہے اور خواہ مخواہ ہی جمع قرآن کی بحث چھیڑ کر یہ نتیجہ نکالنے کی ناکام سعی کی ہے کہ بیانِ قرآن کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے مہدیؑ موعود ہی کے ذریعہ پوری کی ہے۔ (دیکھئے ص:۷۸۹)

(۱۸)

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ (بینۃ:۴)

● اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

اُوتُوا الْكِتَابَ یعنی یہود ونصاریٰ، دوسروں کو چھوڑ کر تفریق کے ساتھ صرف اہل کتاب کو خاص کرنے کی وجہ —— جبکہ وہ بھی منکرین ہی میں شامل ہیں —— یہ ہے کہ ان کے پاس علم ہونے کا لوگوں کو یقین تھا، جب انہوں نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کریم کی صداقت کے بارے میں پہلے سے متفق ہونے کے باوجود اعلانِ نبوت کے بعد افتراق کیا، —— چنانچہ ان میں سے بعض نے آپ کا انکار کیا اور بعض آپ پر ایمان لے آئے —— تو کفار ومشرکین بھی ان کے ساتھ مل گئے، گویا افتراق کے اصل اور اول مجرم اہل کتاب ہی ہوئے۔ اور بینة سے مراد قرآن کریم ہے جو ان کے پاس موجود کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو توصیف وتعریف موجود تھی، اس کی تصدیق کرتی ہے۔ (قرطبی: ۱۰۲/۲۰)

● قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

اہل کتاب کا یہ افتراق اس طور پر ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد) ان میں سے بعضے تو آپ پر ایمان لائے اور بعض دیگر شک وشبہ میں پڑ گئے یا اپنے کفر پر جمے رہنے کا تہیہ کر کے متفرق ہو گئے، اہل کتاب کی تخصیص اسلئے کی کہ ان کی حالت کی زیادہ مذمت ہو سکے کیونکہ وہ علم رکھنے کے باوجود افتراق میں پڑ گئے تو یہ جاہلوں کے مقابلہ میں زیادہ مذمت کی بات ہے۔ (بیضاوی: ۳۲۸/۵)

● امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

یعنی ہم سے قبل امتیں جنہیں آسمانی کتب عطا کی گئی تھیں مگر وہ اس کے بارے میں آپسی اختلافات کے شکار ہو گئے اور واضح دلائل آنے کے باوجود شدید افتراق وانتشار میں پڑ گئے۔ (ابن کثیر: ۵۴۰/۴)

● امام طبریؒ فرماتے ہیں:

یہود ونصاریٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں اختلاف ان کے پاس کھلی نشانی

کے آنے کے بعد کیا، کھلی نشانی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کا واضح ہو جانا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جن کو اللہ نے اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب اللہ نے آپ کو مبعوث فرما دیا تو وہ لوگ آپ کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے، بعض نے آپ کی تکذیب کر دی اور بعض آپ پر ایمان لے آئے حالانکہ وہ سب آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ کے نبی ہونے کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے۔

(تفسیر الطبری:۲۴/۵۵۳)

اس کے برخلاف سید محمد جونپوری کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے مراد جن کو کتاب دی گئی ہے تیرے زمانے کے علماء ہیں اور بیـــــــــــــنۃ سے مراد مہدی موعودؑ ہیں اور وہ تیری ذات ہے۔ (ص:۳۸)

یہی تفسیر سجاوندی صاحب کے حوالہ سے صاحبِ نور ایمان نے بھی کی ہے۔

(دیکھئے ص:۸۲۱)

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلہ میں یہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ کے متوارث ومتواتر اصولوں کی پابندی نہیں کرتے، اور کرتے بھی کیوں؟ جب کہ ان کے امام نے خود فرما دیا تھا کہ تفسیر قرآن کے لئے "نور ایمان" کافی ہے۔ جبکہ علماء امت ہمیشہ سے تفسیر قرآن کے لئے قرآن ہی کی دیگر آیات، احادیثِ نبی، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور لغتِ عرب وغیرہ کو مدنی قرار دیتے ہیں۔

مؤلف کی دیگر چند مطبوعات

AL-FALAH GRAPHICS : 9247833931

برکات بکڈپو
Barakaath Book Depot

17-1-391/2/M/1, Khaja Bagh, Sayeedabad, Hyderabad. (A.P)